شاہد رزاقی

حبیب بُورقیبہ

فرانس نے تونس پر اپنی گرفت کو زیادہ مضبوط کرنے کے لئے تونس کے مسلمانوں میں معاشرتی اختلاف پیدا کرنے کی کئی تدبیریں اختیار کی تھیں۔ جن میں ایک یہ تھی کہ اُن تونسیوں کو عام تونسی باشندوں پر ترجیح دی جاتی جو فرانسیسی قومیت اختیار کر لیتے۔ فرانس کے اس سامراجی حربے نے فتنہ و فساد کا دروازہ کھول دیا تھا۔ مگر آخر کار اس کے خلاف ایک ستائیس سالہ نوجوان سینہ سپر ہو گیا اور اس کی یہ تحریک سارے ملک میں پھیل گئی، کہ فرانسیسی قومیت اختیار کرنے یا فرانس سے تعاون کرنے والے تونسی مسلمانوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہ کیا جائے۔ اس تحریک کی حیرت انگیز مقبولیت نے فرانسیسی حکومت کو پریشان کر دیا۔ اس نے اس تحریک کے خلاف ملاؤں سے فتوے حاصل کئے۔ لیکن سامراجیت اور ملائیت دونوں کو اس نوجوان نے شکست دی۔ یہ نوجوان حبیب بورقیبہ تھا جو فرانسیسی حکومت کے نزدیک موروثی باغی تھا۔ کیونکہ اس کا دادا حملہ آور فرانسیسیوں کے خلاف لڑا تھا۔ اور اس کے والد اور چچا وطنی تحریک کی حمایت کی پاداش میں قید کر دئے گئے تھے۔ اور ان کی املاک و آراضی حکومت نے ضبط کر لی تھی۔

بورقیبہ نے یہ تحریک سنہ ۱۹۳۰ء میں شروع کی تھی۔ لیکن سنہ ۱۹۲۲ء میں بھی جب وہ فلسفہ کے طالب علم تھے فرانس کے خلاف قومی مظاہروں میں نمایاں حصّہ لیا تھا۔ اور اس کے بعد بھی مخالفِ فرانس سرگرمیوں میں پیش پیش رہے پھر فرانس سے قانون اور سیاسیات کی اعلیٰ ڈگریاں لے کر جب وہ تونس واپس آئے تو خود فرانس کے سکھلائے ہوئے حربوں سے فرانسیسی سامراج کا مقابلہ کرنے لگے۔ حکومت نے اپنے وفاداروں کے لئے ایک بہت خوش نما قبرستان بنوایا۔ اور اس میں دفن ہونے والوں کو بڑا معزز ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بورقیبہ کا جوابی حملہ اس قدر کارگر ہوا کہ یا تو ہر سال ہزاروں مسلمان فرانس کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے تھے یا یہ حالت ہو گئی کہ اس تحریک کے بعد پانچ سال کی مدّت میں صرف چار تونسی مسلمانوں نے فرانسیسی قومیت اختیار کی۔ یہ اس شخص کی سیاسی زندگی کا آغاز تھا جو صرف چند سال کے اندر تونس کی سب سے بڑی پارٹی کا بانی اور صدر، قوم کا عظیم ترین رہنما، شعلہ بیان مقرر اور جنگِ آزادی کا قائد بن گیا۔ جس نے فرانسیسی سامراج کو شکست دے کر آزادی حاصل کی۔ پھر بادشاہت کا تختہ اُلٹ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تونس کی نئی جمہوریہ کا پہلا صدر منتخب ہوا۔

مئی ۱۹۴۸ء میں جب میں ریف کے نامور مجاہد امیر محمد بن عبدالکریم سے پہلی مرتبہ ملنے گیا تو معلوم ہوا کہ امیر کے مکان سے متصل دفترِ مغرب ہے جو تونس، الجیریا اور مراکش کے جلاوطن رہنماؤں کی پناہ گاہ اور ان کی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہ ادارہ بھی حبیب بورقیبہ نے قائم کیا تھا اور امیر عبدالکریم اس کے سربراہ تھے۔ میں حبیب بورقیبہ سے ملنے کا آرزومند تھا۔ مگر وہ قاہرہ میں نہ تھے۔ مجھے اپنی محرومی پر بڑا افسوس ہوا۔ لیکن ڈھائی سال کے بعد حبیب بورقیبہ سے نہ صرف ملنے بلکہ کئی روز تک ان کے ساتھ کافی وقت گزارنے کا موقع مل گیا۔ چند روز کے بعد جب میں دفترِ مغرب گیا تو حبیب بورقیبہ اور حبیب ثمر کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اور جو واقعات معلوم ہوئے ان سے یہ پتہ چلا کہ حبیب بورقیبہ بڑی دلکش شخصیت اور آہنی عزم و استقلال کے مالک ہیں۔ اور دنیا کی کوئی قوت انہیں اپنے نصب العین سے ہٹا نہیں سکتی اور ان کے یہی اوصاف ان کی کامیابی کی ضمانت ہیں۔

عبدالعزیز الثعالبی تونس میں تحریکِ آزادی کے بانی تھے۔ اگرچہ وہ ۱۹۱۱ء سے جلاوطن تھے لیکن ان کی جماعت "الدستور" تونس کی سب سے بڑی اور با اثر جماعت تھی۔ بورقیبہ مجلسِ عاملہ کے رکن اور نوجوان گروپ کے قائد تھے۔ تونس کے نوجوانوں میں بورقیبہ نے جہد و عمل کی ایک نئی روح پھونک دی تھی اور وہ اپنے رہنماؤں کی سست خرامی کے شاکی تھے۔ دوسری طرف پرانے رہنما بورقیبہ کی تیز رفتاری سے نالاں تھے۔ نوجوان فرانس سے ٹکرانا چاہتے تھے۔ لیکن پرانے قائدین اس کے خلاف تھے۔ آخر کار بورقیبہ نے مجلس کی رکنیت چھوڑ دی۔ اپنے سیاسی پروگرام کا اعلان کیا۔ اور ان کا اخبار "العمل التونسی" بڑی بے باکی سے نوجوانوں کی ترجمانی کرنے لگا۔ مارچ ۱۹۳۴ء میں یہ اختلاف فیصلہ کن منزل کو پہنچ گیا اور بورقیبہ نے جدید حزب الدستور قائم کر لی۔ جو تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی طاقت ور عوامی جماعت بن گئی۔ تین سال کے بعد الثعالبی تونس آئے۔ بورقیبہ نے اپنے قائد کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ لیکن ثعالبی نے اپنے پرانے رفیقوں کی حمایت کرتے ہوئے بورقیبہ کی مخالفت کی۔ جب مفاہمت کے امکانات ختم ہوگئے تو بورقیبہ مقابلے پر آگئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ثعالبی جیسا مقتدر لیڈر سیاست سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ پرانی حزب الدستور ختم ہوگئی۔ نئی حزب الدستور ملک کی نمائندہ جماعت اور بورقیبہ قوم کے مسلمہ قائد بن گئے۔

فرانس بورقیبہ کے روز افزوں اثر اور ان کی جماعت کی شدت پسندی کو خوف کی نظر سے دیکھنے لگا اور ان کی تحریک کو کچل دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ وہ دور افتادہ صحرائی قلعہ میں نظر بند کر دئے گئے۔ اور محبانِ وطن پر شدید مظالم ہونے لگے۔ لیکن بورقیبہ نے عزم و استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ آخر کار دو سال کے بعد فرانس اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور ہوگیا اور بورقیبہ کے مطالبات قبول کرنے کا وعدہ کیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ وعدہ

پورا کرنے سے انکار کر دیا، اور نہایت سخت گیر پالیسی اختیار کی۔ فرانس کے خلاف سارے ملک میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ بورقیبہ بہت بیمار تھے۔ لیکن اُنھوں نے فرانس کے خلاف مظاہرے کرنے کا حکم دیا۔ حالات نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی اور حکومت نے ہر ممکن کوشش کی کہ بورقیبہ اپنا اعلان واپس لے لیں۔ مگر وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔ ملک میں فوجی قانون نافذ کر دیا گیا۔ بورقیبہ کو قید کر کے فوجی عدالت میں اُن پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔ اور ہر قسم کا تشدد ہوتا رہا۔ لیکن بورقیبہ کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا۔ اور کوہ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ء تک قید و بند کی سختیاں برداشت کرتے رہے۔ ان کے جو ساتھی روپوش ہو گئے تھے انھوں نے فرانس کے خلاف خفیہ تحریک جاری رکھی اور محبانِ وطن پوری قوت کے ساتھ فرانس کے استعمار کا مقابلہ کرتے رہے۔

۱۹۴۲ء میں نازیوں نے بورقیبہ کو قید سے رہا کیا۔ وہ روم پہنچا دئے گئے، جہاں اُن کا زبردست استقبال ہوا۔ دریائے ٹائبر کے کنارے بازنطینی محل میں ان کو ٹھہرایا گیا۔ مسولینی نے جنگ میں بورقیبہ سے اشتراکِ عمل کی خواہش کی۔ بورقیبہ جمہوریت کے حامی اور فاشیت کے مخالف تھے اور ان کو یہ یقین تھا کہ اس جنگ میں اتحادی فتح یاب ہوں گے۔ لہٰذا جرمنوں کے حسنِ سلوک اور اطالویوں کی میزبانی کے باوجود اُنھوں نے مسولینی کی حمایت سے انکار کر دیا۔ آخر کار مارشل پتیان نے بورقیبہ کو فرانس کی نئی حکومت کا حامی بنانے کے لئے ان کی جماعت پر سے پابندیاں اُٹھالیں۔ عام معافی کا اعلان کیا۔ اور پانچ سال کے بعد بورقیبہ کو وطن جانے کی اجازت ملی۔ لیکن تونس جاتے ہوئے اُنھوں نے اہلِ وطن کے نام جو تقریر نشر کی اس میں فرانس سے تعاون کے بجائے اپنے جمہوری حقوق اور آزادی کے لئے سینہ سپر رہنے کا پیغام دیا۔

جب تونس میں اتحادی فوجیں داخل ہوئیں تو بورقیبہ نے جمہوریت کے ان "مجاہدوں" سے تونس کے جمہوری حقوق منوانے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ اب اُنھوں نے یہ طے کیا کہ دنیا کی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے تونس سے باہر نکلیں۔ لیکن فرانس اس کا شدید مخالف تھا۔ یہ مخالفت بورقیبہ کو روک نہ سکی۔ وہ بھیس بدل کر تونس سے نکل گئے اور برقہ پہنچے۔ وہاں سے مصر روانہ ہوئے۔ سرحد سے کچھ فاصلے پر گرفتار کر لئے گئے۔ پھر مصری سپاہی ان کو قاہرہ لے آئے۔ چند روز کے اندر اُنھوں نے مصری حکومت کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ مصریوں کو تونس کے حالات سے باخبر کرنے کے بعد اُنھوں نے شام، لبنان، اردن، سعودی عرب اور عراق کا دورہ کیا۔ حکمرانوں اور زعما سے ملاقات کی۔ عوامی اداروں سے ربط قائم کیا اور تونس کے مسئلہ کو ایک بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا۔ اس کے بعد وہ سوئٹزرلینڈ گئے۔ اور وہاں سے امریکہ کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ وہاں سے برطانیہ اور چند دوسرے یورپی ممالک کا دورہ کرتے ہوئے قاہرہ واپس آئے۔ فرانس کی

مخالفت اور احتجاج کے باوجود بورقیبہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ اور انہوں نے جو پروگرام بنایا تھا اس کو پورا کر کے دم لیا۔

پاکستان اور انڈونیشیا کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں انہوں نے ان ممالک کا بھی دورہ کیا۔ موتمر عالم اسلامی میں شرکت کے لئے وہ کراچی آئے تھے۔ ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ پاکستانی عوام اور حکومت کی تائید حاصل کریں اور اس مقصد میں وہ کامیاب رہے۔ میں نے ان سے دریافت کیا تھا کہ اس موتمر میں شرکت سے انھیں کیا فائدہ ہوا۔ اس کا جواب یہ دیا کہ اصل مقصد باہمی روابط کو استوار کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ دوسروں کے مسائل کو سمجھوں اور اپنے مسائل سمجھاؤں۔ میں نے پاکستان کے مسائل کا غائر مطالعہ کیا ہے اور ان سے مجھے گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ کشمیر کا مسئلہ مجھے اسی طرح عزیز ہے جس طرح کہ خود اپنے ملک کا مسئلہ اور میں نے یہاں جو کچھ دیکھا ہے اس کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ پاکستانیوں کو اپنے تونسی بھائیوں سے دلی محبت ہے۔ اور وہ تونس کے مسئلہ کو خود اپنا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ موجودہ حالات میں تمام مسلم ممالک کا اتحاد بہت ضروری ہے۔ ہم ایک دوسرے کی حمایت کر کے ہی اپنے اہم مسائل حل کر سکتے ہیں۔ بورقیبہ کے یہ خیالات محض رسمی نہ تھے۔ یہ ان کے صحیح جذبات ہیں۔ اور ان کی صداقت کا ثبوت بھی ملتا رہا۔ چنانچہ ہر موقع پر انھوں نے کشمیر کے مسئلہ میں پاکستان کی حمایت کی اور اپنے ملک کا صدر بن جانے کے بعد بھی انھوں نے کسی سیاست کاری سے کام لئے بغیر نہایت واضح طور پر کشمیریوں کے جمہوری حقوق اور خود ارادیت کی حمایت کی۔

باہمی اتحاد کی اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ہی بورقیبہ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مسلم ممالک اپنے مسائل سے دنیا کو آگاہ کریں۔ اور عالمی رائے عامہ کو اپنا ہم خیال بنائیں۔ حکومتیں مصلحت پسند اور خودغرض ہوتی ہیں لیکن ہر ملک کے عوام میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو حق کی حمایت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور موجودہ دور میں رائے عامہ وہ قوت ہے جس کے سامنے حکومتیں بھی جھک جانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

پاکستان اور انڈونیشیا سے بورقیبہ نے بڑی توقعات کا اظہار کیا۔ کیونکہ ان ممالک نے طویل غلامی کے بعد آزادی حاصل کی ہے۔ اور جمہوری نظام اختیار کیا ہے۔ آبادی، وسائل اور محلِ وقوع کے اعتبار سے بھی ان کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر یہ ملک صحیح طور پر کام کریں اور قومی تعمیر کو پوری اہمیت دے کر اس کے لئے کمربستہ ہو جائیں تو یہ نہ صرف اسلامی دنیا کے لئے بہت بڑے پشت پناہ ہونگے بلکہ عالمی امن وسلامتی اور انسانیت کی فلاح و ترقی میں بھی نمایاں حصہ لے سکیں گے۔ بورقیبہ پاکستان کا ذکر جن الفاظ میں کرتے تھے اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے دل میں اس ملک کے لئے کس قدر خلوص اور محبت ہے۔ اور اس کے مستقبل سے ان کی بڑی توقعات وابستہ ہیں۔

حبیب بورقیبہ عملی انسان اور بڑے حقیقت پسند سیاست دان ہیں۔ وہ ہر مسئلہ کی تہ تک پہنچ جاتے اور اس کا صحیح حل تلاش کر لیتے ہیں۔ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی پر اظہار خیال کرتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ آج ہر ملک کے مسلمان بڑی پست حالت میں ہیں۔ اس بحث سے کچھ حاصل نہیں کہ اس کا سبب خود مسلمان ہیں یا انکو غلام رکھنے والی سامراجی قومیں۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ مسلم ممالک کو موجودہ پستیوں سے کیونکر نکالا جائے۔ خود ہمارے وسائل ناکافی ہیں اور راہِ ترقی پر گامزن ہونے کے لئے ہمیں دوسروں سے امداد لینا ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم یہ امداد کس سے لیں۔ اس وقت دنیا دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ جمہوری اور اشتراکی۔ ہمارے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جمہوری ممالک سے دوستی کریں۔ کیونکہ اشتراکی ممالک ایک تو نظریاتی اعتبار سے ہم سے بہت دور ہیں اور دوسرے ان کی دوستی اور امداد کی بڑی قیمت دینی پڑتی ہے۔ مشرقی یورپ کے ملکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے جن کو روس کی دوستی نے ایک طرح کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔ اب ہمارے لئے سوا اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ مغربی ممالک سے تعاون کریں اور انفرادی طور پر اپنی حالت کو مستحکم بنائیں۔ لیکن اس سے غافل نہ ہوں کہ ہمارا اصل مقصد تمام مسلم ممالک کو اسلامی اخوت اور اتحاد کے رشتہ میں منسلک کرنا ہے۔ اس اتحاد کی نوعیت کیا ہو سکتی ہے اس پر پورے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ جو ممالک انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلے ہوئے ہیں ان کے مسائل اور مفاد میں اختلاف ہونا لازمی ہے۔ اور حقیقت پسندی کا یہ تقاضا ہے کہ ان اختلافات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم ایک ایسا انتظام قائم کریں جو تمام اسلامی ممالک کو ایک رشتہ میں منسلک کر کے ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کر سکے اور وہ عالمی سیاست میں ایک حقیقی اور فیصلہ کن طاقت بن کر امن کے تحفظ اور انسانیت کی فلاح و ترقی میں نمایاں حصہ لے سکیں۔

بورقیبہ نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ ملوکیت اور ملائیت نے اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ موجودہ دَور کے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ جمہوریت اختیار کریں اور ملائیت کی خرافات کو چھوڑ کر اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔ مختلف ممالک کے مسلمان جب تک صحیح بنیادوں پر معاشرہ کی اصلاح و ترقی پر متوجہ نہ ہونگے وہ موجودہ حالات و مشکلات کا شکار رہیں گے۔ معاشری اصلاح تعلیم اور اقتصادی ترقی ہر ملک کے مسلمانوں کے بنیادی مسائل ہیں اور ان کو جلد از جلد حل کرنا ضروری ہے۔

کراچی میں بورقیبہ صرف وزیروں اور امیروں سے ملاقات اور ان کی ضیافتوں میں شرکت کر کے مطمئن نہ ہو گئے۔ بلکہ متوسط اور غریب طبقوں کے حالات کا بھی مشاہدہ کیا۔ ایک مرتبہ اُنھوں نے مجھے صبح سویرے بلایا اور کہا کہ کچھ دور میرے ساتھ پیدل چلنے کی ہمت ہے؟ میں نے سبب دریافت کیا تو کہا کہ میں اس شہر کی صحیح تصویر دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ہم پیدل روانہ ہوئے۔ اُنہوں نے بڑے بڑے بازار بھی

دیکھے اور تنگ گلیاں بھی۔ امیروں کی کوٹھیاں بھی دیکھیں اور غریب مہاجروں کی جھونپڑیاں بھی۔ جہاں کوئی خاص بات نظر آتی وہاں ٹھہر جاتے۔ اور جو معلوم کرنا چاہتے اس کے متعلق اطمینان کر لینے کے بعد آگے بڑھتے۔ اسی طرح دو تین روز تک کئی کئی گھنٹے گھومتے پھرتے رہے۔ اور معاشری حالت، تعلیم، روزگار، تہذیب و ثقافت غرض زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق سوالات کرتے رہے۔ ان کو اس بات پر حیرت تھی کہ کراچی کے باشندے وضع قطع، رنگ و نسل، لباس، زبان وغیرہ کے اعتبار سے اس قدر مختلف کیوں ہیں۔ میں نے ان کو بتلایا کہ کراچی ہندوستان سے نکالے ہوئے مہاجروں کا شہر ہے۔ ہندوستان بجائے خود ایک براعظم تھا جس کے مختلف حصوں کے باشندے کئی اعتبار سے مختلف تھے۔ اب ان سب علاقوں کے باشندے کراچی میں جمع ہو گئے ہیں۔ جہاں پہلے سے سندھی، مکرانی وغیرہ موجود تھے۔ اس طرح کراچی طرح طرح کے لوگوں کا مجموعہ بن گیا ہے۔ یہ حالت کچھ نہ کچھ پاکستان کے دوسرے حصوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس لئے پاکستان کی تہذیب و ثقافت ایک ارتقائی دَور سے گذر رہی ہے۔ معاشری، تمدنی اور لسانی یکسانی پیدا ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا۔ لیکن یہ یکسانی پیدا ضرور ہو گی۔

جب بورقیبہ پاکستان سے جانے لگے تو میں نے یہ درخواست کی کہ وہ ایسے چند جملے لکھ دیں جو انکے خیالات کے ترجمان ہوں اور پاکستان میں ان کی آمد کی خوش گوار یاد تازہ کرتے رہیں۔ چنانچہ انھوں نے یہ لکھ کر میری عزّت افزائی فرمائی کہ:

> "مجھے اُمید ہے کہ برادرِ مکرّم، حضرت اُستاذ شاہد حسین رزاقی میری اس تحریر میں وہ ہمدردی، اخوّت اور محبت پائیں گے جو میں ان کے متعلق رکھتا ہوں اور وہ احترام بھی پائیں گے جو میرے دل میں پاکستانی بھائیوں کے لئے ہے۔ اللہ تعالےٰ شرق و غرب میں مسلمانوں کی دستگیری فرمائے اور اپنی بارگاہِ خاص سے ان کی مدد فرمائے۔ اور اللہ سرگرمِ عمل لوگوں کے ساتھ ہے۔"

اصل عبارت یہ ہے:

> "ارجو ان یجد حضرۃ الاخ الکریم الاستاذ الشاھد حسین رزاقی فی ھذہ الکلمۃ ما یکنہ قلبی نحوہ فی اخاء ومحبۃ ونحو الشعب الباکستانی النبیل من تقدیر واجلال اخذ اللہ بید المسلمین فی مشارق الارض ومغاربھا وامدّھم بنصر من عندہ۔ واللہ مع العاملین۔"
>
> الحبیب بورقیبہ

۲ مایو ۱۹۵۱

ایک رونیان کے ساتھ ہم لوگوں نے کچھ تصویریں بھی کھنچوائیں۔ ایک تصویر اُنھوں نے جناح کیپ اور شیروانی پہن کر اُتروائی اور اس کی کئی کاپیاں ساتھ لے گئے۔

پاکستان سے واپس جانے کے بعد بورقیبہ نے آزادیٔ وطن کی تحریک کو شدّت سے آگے بڑھایا۔ متحدہ جدوجہد کے لئے محاذِ آزادی قائم کیا۔ میں ان کی سرگرمیوں کی خبروں سے گہری دلچسپی لے رہا تھا اور جب سیکیورٹی کونسل میں پاکستان نے تونس کی پُرجوش حمایت کی تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں پھر بڑے نازک حالات پیدا ہوگئے تھے۔ بورقیبہ پھر جلاوطن کردئے گئے تھے اور آزادی کی تحریک بے رحمی سے کچلی جارہی تھی۔ لیکن مجھے یقین تھا کہ بورقیبہ کامیاب ہونگے اور وہ جس سفینے کے ناخدا ہیں وہ ساحلِ مراد تک ضرور پہنچے گا۔ آخرکار فرانس کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور سنہ ۱۹۵۶ء میں تونس آزاد ہوگیا۔ حبیب بورقیبہ وزیرِاعظم ہوئے۔ تونس کی تاریخ میں ایک درخشاں دور کا آغاز ہوا۔ پھر اُنھوں نے تونس میں بادشاہت کو ختم کرکے جمہوریہ قائم کیا۔ اور اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اور پھر معاشری اصلاح و ترقی کی تجاویز پر عمل ہونے لگا۔ اصلاحات کے مخالفوں کی طاقت ٹوٹ گئی اور بورقیبہ نے بہت جلد اس خیال کو عملی حقیقت میں بدل دیا کہ ملوکیت اور ملائیت نے اسلام کو بڑا نقصان پہنچایا ہے اور ہر ملک کے مسلمانوں کے لئے ان سے نجات حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔

تاریخِ جمہوریت

مُصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونانِ قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔

صفحات ۵۰۶۔ قیمت -/۸ روپے

—— ملنے کا پتہ ——

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور